تصنیف "ہندو صنمیات" میں ڈاکٹر مہر عبدالحق سومرہ کے تحقیقی مآخذ اور اسلوب و منہج کا جائزہ

A research study of Method and Style of Dr Meher Abdulhaq Somra in "Hindu sanamiyat"

Maryam Noreen
Ph.D Scholar in Islamic Studies, SBBW University Peshawar
Email: mariyamphd6@gmail.com

Dr. Abzahir Khan
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan
Email: abzahir@awkum.edu.pk

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
A study of Hindu Religion is an academic Discipline which tends to study the traditions and practices of the Hinduism. Though Many Muslim scholars have contributed in the field of world religions, but very few Muslim scholars attempted to study Hinduism. Among them, Dr Meher Abdulhaq Somra is one the pioneer who contributed in the discipline of Hindu Studies. Dr Meher Abdulhaq Somra (1915-1995) is considered one of the greatest scholar and researcher of 20th century. He was born in Punjab in 1915 and after perusing his education to masters, he got his PhD from Punjab Oriental College Lahore. Dr Somra playd his immense role in understanding world's religious within mythological discourse. He wrote more than 40 books on various areas but his remarkable work is about religion is about Hindu Mythology ((ہندو دیولامائیت) Among his major works, "Hindu Sanmiyaat" has its own uniqueness and usefulness in the field of Religious Studies. This article is about "Hindu Sanmiyaaat" and it will throw light on the method and style of Dr Meher Abdul Haq Somra in this Book. We shall highlight Dr Somra's approaches which he used to understand Hindu religion, beliefs (Although Islam rejects all the beliefs of Hindus mentioned in this book or article) and the sources and pattern of reasoning as well.

Key Words: Hindu Mythology, Hindu Sanmiyaat, 20th century, Dr Meher Abdulhaq Somra

ڈاکٹر مہر عبدالحق سومرہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے سرائیکی اور اردو زبان کے معروف و ممتاز محقق، نقاد، ماہر لسانیات اور مترجم تھے۔ آپ موجودہ پاکستان کے شہر لیہ، پنجاب میں جون ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مہر نور محمد سمرا تھا۔ بہاولپور سے ایف۔ایس۔سی، ایمرسن کالج ملتان سے اور ایم اے (اردو) کی ڈگری ۱۹۵۰ء میں حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی نگرانی میں پنجاب یونیورسٹی اور منٹل کالج لاہور سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی۔[1]

ڈاکٹر مہر عبدالحق سومرہ یکم فروری ۱۹۷۰ء کو محکمہ تعلیم کی ملازمت سے سبک دوش ہوئے اور تصنیف و تالیف پر توجہ دی۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۴ء تک ۴۵ برس کے دوران چالیس سے زائد کتب تصنیف کیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق اور قرآن پاک کا سرائیکی زبان میں ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک مشہور تصنیف "ہندو صنمیات" ہے جو کہ اردو زبان میں ہندو میتھالوجی کے تفصیلی تعارف پر مشتمل ہے۔[2]

آپ کی دیگر تصانیف درج ذیل ہیں:

دیگر تصانیف	
ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	سرائیکی لوک گیت
کونین دو والی	ملتان کے بادشاہ
سرائیکی زبان دے قاعدے	جاوید نامہ اقبال
سرائیکی اور اس کی ہم سایہ علاقائی زبانیں	رباعیات
پیام فریدی	عمر خیام
لغات فریدی	کلام خواجہ
فرد فرید	قصیدہ بردہ شریف

اعزازات

ڈاکٹر مہر عبد الحق سومرہ کو ان کی ادبی خدمات پر اعزازات سے بھی نوازا گیا تھا۔ جیسے قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کرنے پر حکومت پاکستان کی جانب سے ۱۹۸۱ء میں خصوصی اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو ان کے ادبی خدمات کے اعتراف میں صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر صاحب کو داؤد ادبی انعام اور ۱۹۸۷ء میں اکادمی ادبیاتِ پاکستان کی جانب سے خواجہ فرید ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔[3]

ہندوصنمیات کا تعارفی جائزہ

ڈاکٹر مہر عبد الحق کے مطالعہ ہندومت کا جائزہ لینے کا واحد ذریعہ ان کی مایہ ناز تصنیف ”ہندوصنمیات“ ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ اردو زبان میں ہندو دیولامائیت (Mythology) پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مائیتھالوجی کی کہانیوں ، دیوی دیوتاؤں کو موجودہ زمانے میں سوائے متعلقہ قوم کے کوئی بھی حقیقت نہیں مانتا۔ مگر اس حقیقت کے سب معترف ہے کہ انسانی شعور اور تہذیب کے ارتقاء کی موجودہ صورت کو سمجھنے کے لیے اس کا سائنسی اور علمی تجزیہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے ہندو دیومالائیت پر ان کی تصنیف نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں تبصرہ نگار رجسٹرار بہاء الدین زکریا یونیورسٹی (ملتان) عرش صدیقی لکھتے ہیں: ”پاکستان میں ابھی تک ہندو مائیتھالوجی پر یا یوں کہئیے کہ پاکستان کی اپنی قدیم اساطیری تہذیب پر کوئی مکمل کتاب ”تالیف یا تصنیف“ شائع نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر مہر عبد الحق کی کتاب ”ہندومائیتھالوجی“ ہمارے ہاں منظر عام پر آنے والی اس ضمن میں پہلی کتاب ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس گفتگو سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ مہر عبد الحق نے گو کہ کتاب کے مختلف حصوں میں تنقید و تبصرہ سے احتراز کیا ہے۔ لیکن ابتدائیہ میں انہوں نے مائیتھالوجی کی اہمیت اور معنویت بیان کرتے ہوئے بڑے عالمانہ پیرائے میں اظہار خیال کیا ہے اور انکی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس تالیف کا محرک صداقت کی تلاش کا وہ جذبہ ہے جو ہر باشعور انسان کے باطن میں چراغ کی طرح روشن رہتا ہے۔ انہوں نے دوسرے مملکوں اور زبانوں کی مائیتھالوجی کے حوالے نہیں دیئے لیکن ان کے نام لے کر ان کی اہمیت کی طرف اشارے ضرور کئے ہیں۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ ایسا کرنے کے لئے کم سے کم دو ہزار صفحات درکار ہوتے۔ تاہم اس

حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ڈاکٹر مہر عبد الحق صاحب نے اس کتاب میں مناسب جامعیت اور اختصار کے ساتھ ہندو دیومالا کا یکجا کر دیا ہے۔"[4]

حصہ اوّل: دیدوں کے دیوتا	یہ حصہ دس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے جن میں اُن دیوتاؤں تفصیلی بیان ہے جن کا ذکر ویدوں میں آیا ہے۔ ان میں مظاہر فطرت سے متعلق دیوتا، موسم کے دیوتا اور یم یعنی موت کا دیوتا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ البتہ پہلے باب میں مصنف نے ہندوؤں کی مقدس کتاب وید کے بارے میں لکھا ہے۔ ویدوں تعارف، ترتیب، تاریخ، اہمیت، وطن، زمانۂ تصنیف، رشی اور دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
حصہ دوم: پرانوں کے دیوتا	جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس حصے میں مصنف نے پرانوں کے دیوتاؤں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ان میں تری مورتی کے برہما، وشنو، شیو ان کے دیویاں اور گیارہ اوتار خاص طور پر شامل ہیں۔ جبکہ آخری کے باب میں پرانوں کے غیر اہم دیوتاؤں کا تذکرہ ہے۔ یہ حصہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔
حصّہ سوم: کمتر درجے کے دیوتا	کتاب کے اس حصّہ میں ہندو دھرم میں کمتر درجے کے دیوتاؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان میں فوق البشر اُلوہیاتی مقام کے رشی، کُویرا، رامائن کے نیم دیوتا، مہابھارت کے نیم دیوتا، اَسُورہ، مقدس جانور اور پرندے، گنگا، متفرق چھوٹے دیوتاؤں وغیرہ کا بیان موجود ہے۔ یہ حصّہ گیارہ ابواب اور متعدد جزئیات پر مشتمل ہے۔
حصّہ چہارم	یہ حصّہ دو ابواب پر مشتمل ہے جس میں پرانوں کی روشنی میں تخلیق کائنات اور وقت کی تقسیم سے متعلق تفصیلات درج ہے۔
حصّہ پنجم	ڈاکٹر مہر عبد الحق سومرہ کی تصنیف کا پانچواں حصّہ چار ابواب، کتابیات اور اشاریہ پر مشتمل ہے۔ اس حصّہ میں بدھ مت، جین مت، اُپنشد، ہندو فلسفہ اور اخلاقی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے۔

تفہیم ہندو مت سے متعلق ہندو صنمیات میں ڈاکٹر مہر عبد الحق کی اہم آراء کا جائزہ

ہندو تصورِ خدا

ہندو فلسفہ کا ایک اہم بلکہ اصل موضوع "برہمن" ہے۔ اس برہمن سے مراد ہندوؤں کی ذات نہیں بلکہ کائنات کی حقیقتِ اعلیٰ ہے جسے آتمن، برہم اور ایشور بھی کہا گیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ہندوازم میں برہمن کے بارے میں لکھا ہے:-

"Eventually, the term brahman was developed in the Upanishads to mean "the All" or "Ultimate Reality". An understanding developed that the individual self, or ATMAN, was identical to the brahman. These understandings developed in later VEDANTA into

both theistic views, in which the brahman was tantamount to a god or goddess, and nontheistic views, in which the brahman was seen as an uncharacterized reality that constituted or underlay everything."[5]

ڈاکٹر مہر وشنو پران کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لفظ برہمن "وریہہ" سے نکلا ہے جس کے معنیٰ "بڑھنا" ہے۔[6] اسی کتاب کے حوالے سے مزید کہتے ہیں کہ برہمن کا ترجمہ "سب سے بلند و برتر غیر مقرون روح" ہے۔[7] اس برہمن کی تعریف و توضیح کی کوشش اپنشدوں میں کئی رشیوں نے کی ہے لیکن ڈاکٹر مہر سمجھتے ہیں کہ اس کوشش میں اپنشد کے دانشوروں کو بہر حال خدائی تقدس اور غیر مادی سے سوچ سے نکل کر انسانی سطح پر اتر کر تعبیر بیان کرنی پڑی۔ وہ لکھتے ہیں: "ناقابلِ بیان" کے بیان کرنے کی کشمکش میں اُپنشدوں کے دانشوروں کو ہر طرح کی لفظی مصوری استعمال کرنی پڑی ہے۔ بعض اوقات توروح کا تصور بھی بالکل ابتدائی قسم کا پیش کیا گیا ہے۔ یعنی اسے انتہائی چھوٹا سا آدمی بتایا گیا ہے جو دل کے اندر بیٹھا ہے۔ کبھی بتایا گیا ہے کہ یہ سانس ہے یا پر اسرار مائع قسم کی کوئی چیز ہے جو رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے تاہم کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ غیر جسمانی اور بے حد و مقدار ہے۔ برگد کا ایک پھل لاؤ، یہ لیجئے جناب، اسے توڑو، توڑ لیا، جناب، کیا دیکھتے ہو؟، بہت باریک اور چھوٹے چھوٹے بیج، جناب، ایک بیج کو توڑو، توڑ لیا جناب، اب کیا دیکھتے ہو؟ کچھ بھی نہیں جناب۔ میرے بیٹے! جس چیز کو تم سمجھ نہیں سکے وہی اصل یا جوہر ہے اور اسی اصل یا جوہر میں اتنے بڑے برگد کے درخت کا وجود ہے۔ مجھ پر یقین رکھو میرے بیٹے کہ اسی اصل یا جوہر میں تمام موجودات کی ذاتِ مشخص ہو' سوتکیتو!"[8]

برہم کی دو حالتیں

اپنشدوں کے رشیوں نے خدائی تفہیم کی یہ جسارت اس طرح کی ہے کہ برہم کی دو حالتیں بیان کی گئی ہیں جسے مولانا محمد عبید اللہ اور حافظ شارق نے "نرگن" اور "سرگن" کہا ہے۔[9] ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یہ اصطلاح استعمال نہیں کی مگر وہ ان دونوں حالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ "برہم کی دو حالتیں ہیں: ایک بے صورت اور دوسری صورت ہے ایک خالی اور دوسری غیر فانی اور یہی دو حالتیں ہر وجود کی ہوتی ہیں جو غیر فانی صورت ہے وہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور جو فانی صورت ہے وہ اس دنیا جہان کی شکل میں دیکھی جا سکتی ہے کسی ایک مقام پر جلنے والی آگ کے شعلے اپنے ارد گرد روشنی اور حرارت پھیلاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا عظیم برہما کی قوت کے مظہر کے سوا کچھ نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ جس طرح ہمارے اس آگ سے نزدیک یا دور ہونے کی وجہ سے ہم آگ کی روشنی اور حرارت کو اسی نسبت سے کم یا زیادہ حاصل کرتے ہیں اسی طرح بَرہمَ، وشنو اور شیوا خدا کی سب سے زادہ طاقتور قوتیں ہیں۔ ان کے بعد کم تر درجے کے دیوتا ہیں، پھر ان کے خادم نیم دیوتا وغیرہ ہیں اور آخر میں انسان ہیں۔ اس کے بعد علی الترتیب جانوروں، پرندوں، کیڑے مکوڑوں، نباتات وغیرہ کا درجہ آتا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر چیز اصل الاصول سے بہ ترتیبِ بالا دور چلی جاتی ہے اسی لئے اسی نسبت سے کمزور ہوتی جاتی ہے۔"[10]

ہندومت میں دیوتا پرستی

ہندوؤں کے ہاں تصورِ توحید کا اثبات خود ہندو اسکالرز کے علاوہ کئی مسلم محققین نے بھی کیا ہے۔ البیرونی، مولانا شمس نوید عثمانی اور حافظ محمد شارق سب نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ہندوؤں کے خواص توحید کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبد الحق واضح معنوں میں ہندوؤں کے ہاں توحید کے قائل نہیں لیکن Henotheism کی توثیق وہ بھی مغربی محققین کے توسط سے کرتے ہیں۔ دیوتا پرستی کے بارے میں لکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب وضاحت کرتے ہیں: "یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ پجاری ہر دیوتا کو باری باری تمام دوسرے دیوتاؤں سے افضل اور برتر سمجھتا ہے۔ ویدوں میں اسمائے صفت تفضیل کل کے صیغوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ پھر مختلف دیوتاؤں کے تعریفی کلمات بِلا امتیاز

ہم معنی اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ پروفیسر میکس ملر کے قول کے مطابق جب ان دیوتاؤں کو الگ الگ پکارا جاتا ہے تو کسی کے بارے میں بھی یہ تصوّر نہیں کیا جاتا کہ یہ دیوتا کسی دوسرے دیوتا سے کمتر رتبے یا کسی دوسرے دیوتا نے اس کی قوت واختیار کو محدود کر رکھا ہے۔ پکارنے والے کے نزدیک ہر دیوتا دوسرے تمام دیوتاؤں کا ہم رُتبہ ہے۔ پکارتے ہوئے ہر پجاری کے دل میں پوجا کے وقت یہ پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ اصل اُلوہیت کی حضوری میں ہے اور یہ اصل اُلوہیت سب سے اعلیٰ اور مطلق ہستی ہے۔ اس لمحے پجاری کے ذہن سے تمام دوسرے دیوتا غائب ہو جاتے ہیں اور اس کی چشم کا مرکز و محور صرف وہی ایک دیوتا بن جاتا ہے۔"[11]

ہندوؤں کے ہاں تصوّر خدا ارتقا پذیر ہے

تصورِ خدا کے بارے میں ڈاکٹر مہر عبد الحق ہماری توجہ ایک انتہائی اہم نکتے کی طرف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے ہاں تصور خدا ارتقا پذیر رہا ہے اور ہر دور میں اس میں ایک مختلف جہت سامنے آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف کتب میں تصورِ خدا کے بارے میں مختلف جہات سے نظریات ملتے ہیں۔ اس مفروضے کی تفصیل اور دلائل بیان کرنے کے لیے انھوں نے قدیم صحائف اور جدید صحائف کے بیان کردہ افکار کا تقابل بھی کیا ہے۔ اس فرق پر وہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: "ابتدائی بھاگوتوں میں پرستش (بھگتی) ہے جسے بھگوت گیتا میں بطورِ مثال پیش کیا گیا ہے، اپنے اظہار میں کچھ رُکی رُکی سی رہتی ہے۔ وہ پجاری جو روحانی طور پر کم ترقی یافتہ تھا "دیوتا" کو موجود بہ ہر زمان اور دل کے اندر بسنے والے جوہر کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا بلکہ اسے بڑی طاقت والا اور دُور دراز کے فاصلے قائم رکھنے والے بادشاہ کے طور پر جانتا تھا جسے دور ہی سے سلام کیا جانا چاہیے۔ مثلاً سورج دیوتا کی تعریف میں گیتا دور کا جو بھجن ہے بلکہ خود بھگوت گیتا کی جو عمومی فضا ہے وہ اسی عقیدے کی تائید کرتے ہیں بھگوت گیتا میں جب کرشن اپنے آپ کو خدائے اعلیٰ وبرتر کے طور پر ظاہر کرتا ہے اور اپنی ماورائی صورت دکھاتا ہے تو ارجن خوف کے مارے زمین پر گر پڑتا ہے اور خدا کے "انسان کے رُوبرو" آجانے کی باہیبت درخشندگی اور عظمت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا یہ بات بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ تمام ہستیوں کے دلوں میں موجود ہے، اپنے پجاریوں کو تناسخ کے سمندر سے نکال لاتا ہے کیونکہ پجاری اُسے بہت عزیز ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ ماورا، قریب یا محیط نہیں ہے۔ اَرجن اپنے اور اس کے تعلقات کا موازنہ کرتے ہوئے ان تعلقات کا ذکر کرتا ہے جو دوست کے دوست کے ساتھ، باپ کے بیٹے کے ساتھ، عاشق کے معشوق کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن کرشنَ کے اظہار اُلوہیت کے بعد اس کے ہر موازنے پر خوف اور دہشت کا احساس غالب رہتا ہے۔"[12]

شخصی خدا کے تصوّر کی نمایاں مثال

غیر شخصی تصورِ خدا کے مقابل جو تصور ساتویں صدی عیسویں میں ہمیں نمایاں ملتا ہے شخصی خدا کا تصور ہے۔ اس کے لیے عمدہ مثال ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تامل شعراء ہیں۔ تصورِ خدا کے ارتقا کے اس مرحلے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ساتویں صدی عیسوی تک اس علاقے میں جو مناجاتیں تصنیف ہوئی ہیں ان میں اگرچہ دیوتاؤں کو حسبِ سابق آوارہ مزاج اور قدیم غیر ترقی یافتہ لوگوں کی طرح دکھایا گیا ہے۔ تاہم اب پُجاری اس کے ساتھ دوبدو ملاقات بھی کر سکتا ہے۔ یہ گویا قدیم اور جدید تصّورات کے درمیان ایک طویل کشمکش کا نتیجہ تھا کہ اب اُلوہیاتی وجود انسانوں سے محبت کرنے لگ گیا تھا بلکہ اپنے پجاریوں سے بھی جوابی محبت کا طالب تھا۔ تامل علاقے کے بھجنوں میں کسی ماورائی خدا کا ذکر نہیں ہے بلکہ ایک مشفق، ہمدرد اور محبت کرنے والے خدا کا ذکر ہے جو پجاری کے بالکل قریب ہے۔ جب پجاری اس خدا سے محبت کرنے لگ جاتا ہے تو پھر وہ خدا سے ہی نہیں بلکہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تامل پجاری پرستش کے دوران جب اپنے خدا کے روبرو بیٹھتا ہے تو دل میں اپنی گناہ گاری اور بے بسی کا شدید احساس لے کر بیٹھتا ہے۔"[13]

حافظ محمد شارق اس نقطہ نظر کی تصدیق کرتے ہیں: "یہ ایک ایسی تحریک تھی، جس کا مقصد خدا کی محبت کو عام لوگوں میں پھیلانا تھا۔ یہ تحریک آٹھویں سے نوی صدی میں جنوبی ہند سے شروع ہوئی جس میں اہم حصہ تامل ناڈو کے علاقے کے سنیاسی شعرا نے لیا جو "الور(Alvars)" کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے مقامی زبانوں میں خدا کے عشق کو شاعری کے ذریعے اس قدر والہانہ انداز میں پیش کیا کہ عوام ان کی گرویدہ ہوگئی۔ بعد ازاں پندرہویں صدی تک ان شعرا نے خدا کو ایک اہم اوتار شری کرشن کے طور پر اپنالیا تھا اور ان کی بھرپور حمد و ثناء بھی شروع کردی تھی۔ یہی رجحان ہندوستان کے دوسرے خطے میں وشنومت میں بھگتی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔"[14]

ہندودھرم میں فلسفہ کی اہمیت

علم الٰہیات کے ہی تناظر میں ہندو فلسفہ اپنی اہمیت اور گہرائی کے سبب خاصی اہمیت کا حامل ہے، یہ فلسفہ فی الواقع دِقت کی بلندیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر ہنود میں بہت کم ہی مصنفین ایسے گزرے ہیں جنھیں اس فلسفے پر گہری مہارت ہو۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب ہندوصنمیات کے آخر میں ہندو فلسفے پر تفصیل سے بحث کی ہے جس سے ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہندو فلسفے میں ڈاکٹر صاحب نے خاص طور پر مندرجہ ذیل عنوانات پر سیر حاصل بحث کی ہے:

تری گن

ہندو فلسفہ کی سب سے معروف اور موثر شاخ ویدانت ہے جس کا ماخذ اپنشد ہیں۔ انتہائی سادہ فہم انداز میں اس فلسفے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: "اس فلسفے کی روسے زندگی نیند کی مانند ہے لیکن نیند کی ایسی حالت جس میں خواب تک نہ آئے انسان کا اصل مقصود ہے بے خواب کی نیند سے مراد زمان و مکان کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہوجانا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ بَرہم سے پھر جا کر مل جانے کا نام ہے جس سے انسان کسی طرح الگ ہوگیا تھا۔ ویدانتی استغراق اور محویت میں یہ باور کرلیا جاتا ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو چکا ہے۔ گویا یہ لمحہ آزادی اس کا بَرہم سے "وصال" کا لمحہ ہے۔ اگر یہ لمحہ مستقل ہوجائے تو وہ اصل لمحہ بھی مستقل ہوجائے گا۔ لہذا یہی وہ نیند ہے جس میں کوئی خواب نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دیدانت کا فلسفہ تصور ہی تصور میں انسانی ذہن کے اندر ایک نئی دنیا بسا دیتا ہے۔ چونکہ اس فلسفے نے بہت سے مذاہب کو متاثر کیا ہے اس لئے اُپنشدوں کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات جاننا ضروری ہے۔"[15]

فلسفہ اخلاقیات

علم الاخلاق فلسفہ کی قدیم ترین شاخوں میں سے ہے اور آج بھی فلسفے کے ان شعبوں میں سے ہے جس پر عصری اہمیت کے تناظر میں معرکۃ الآراء بحث ہوتی رہتی ہیں۔ ہندو فلسفہ بھی اخلاقیات کے ضمن میں اپنا ایک مکمل نظام کا حامل ہے جس پر ہندوستانی تہذیب میں پلنے والے قدیم افکار و نظریات کا اثر براہ راست موجود ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق ہندو فلسفہ اخلاق درحقیقت دینیاتی نظام کی ہی فراہم کردہ بنیادوں پر کھڑا ہوا ہے اور انھی عقائد سے مشتق ہے۔ اس بارے میں ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہندو فلسفے اور اخلاقیات کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہیں:

- کرم کا اٹل قانون
- سمسار یا آواگون
- ذات پات

ان تینوں تصورات کی وضاحت ڈاکٹر صاحب یوں کرتے ہیں: "کرمَ (نہ کہ کَرمْ) سنسکرت زبان کا لفظ ہے جسکے معنی کام یا فعل یا عمل کے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں کرم اور اس کے نتائج کے جو اصول ہیں ان کی وضاحت اُپنشدوں ہی کے زمانے میں کر دی گئی تھی۔ اس لفظ کی تشریح یوں کر دی گئی ہے کہ یہ سابقہ اعمال کی اَن دیکھی پختگی ہے جو اکٹھی ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر منتشر بھی ہو جاتی ہے۔ اگلی زندگی میں روح کس طرح کا جسم اختیار کرے گی یعنی یہ دیوتائی صورت ہو گی، انسانی یا حیوانی پیکر ہو گا یا دوزخ میں ہمیشہ گلتی سڑتی رہے گی، اس طرح موجودہ زندگی میں بھی انسان کے چال چلن، اس کی اچھی بُری قسمت، سماجی طبقے کی پیدائش اور خوشی غمی کا فیصلہ سابقہ کرَمَ کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر اچھے کام کا نتیجہ جلد یا بدیر خوشی کی صورت میں اور ہر بُرے کام کا نتیجہ جلد یا بہ دیر دکھ درد کی صورت میں بر آمد ہو کر رہتا ہے۔ چونکہ یہ سب کچھ اپنے ہی کئے کی جزا ہے جو اٹل ہے اس لیے اسے قسمت یا تقدیر کا لکھا کہنا درست نہیں ہے۔ ہم کرم کے نتائج سے تو نہیں بچ سکتے لیکن دور اندیشی اور صحیح فیصلے کو کام میں لا کر ہم کرَمَ کی اصلاح کر سکتے ہیں اور انہیں اپنے لیے مفید بنا سکتے ہیں۔"[16]

مہر عبد الحق سومرہ مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: "روحوں کے بار بار جسم بدلتے رہنے کے مسئلے کی بھی مختلف انداز میں کئی تشریحات کی گئی ہیں تاہم جس نکتے پر سب مکاتبِ فکر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ "روح" کسی بھی جسم کے اندر اپنی عریاں صورت میں داخل نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک یا ایک سے زیادہ غلافوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے یہ غلاف انتہائی لطیف اور مادی ہوتے ہیں اور ان کی نوعیت کا دارومدار بھی سابقہ اچھے برے اعمال کے "نقد بقایا" یعنی منفی یا مثبت "بچت" پر ہوتا ہے پھر نئی پیدائشوں کا انحصار بھی انہی غلافوں پر ہے۔ یعنی جسم قسم کے غلاف روح کو ملفوف کئے ہوئے ہیں اُسی قسم کے جس کے اندر رُوح کی آئندہ پیدائش ہو گی۔ رُوح کو جو جسم ملتا ہے وہ بے انتہا لطیف اور قوائے حسیہ سے عاری ہوتا ہے یعنی اس میں دل و دماغ والی چھٹی حس ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے روح کو عام طور پر اپنی سابقہ پیدائش یا ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل ہونے کی کوئی بات یاد نہیں ہوتی البتہ بعض بہت ترقی یافتہ رُوحیں اپنی سابقہ پیدائشوں کے واقعات دوبارہ حافظے میں لا سکتی ہیں۔"[17] اسی نظریے کی آخری کڑی سمسار ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: "روح کے جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتے رہنے کے عمل کو سمسار کہتے ہیں یہ عمل ہمہ وقت گھومتے رہنے والے پہیئے کی مانند ہے۔ چونکہ متواتر اور مسلسل چکروں میں درماندگی، بے زاری اور افسردگی کا پیدا ہونا ناگزیر ہے اس لئے ہندو مت نے ان چکروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا عقیدہ پیدا کر لیا اور اس کا نام "مکتی" (نجات) رکھ دیا۔ نجات حاصل کر لینے کے بعد "روح" کہاں جائے گی، کس حال میں ہو گی، نیز یہ کہ نجات حاصل کر لینے کے ذرائع کیا ہیں ان سوالات پر مفکرین کی آراء میں وسیع اختلافات ہیں۔ چنانچہ انہی اختلافات کی بنا پر ہندو فلسفے کو منضبط کیا گیا اور انہی اختلافات سے فلسے کے مختلف مکاتبِ فکر وجود میں آئے ہیں جن میں سے چھ کو اہمیت حاصل ہے۔"[18]

یہ واضح رہے کہ ویدوں کے بجائے اس عقیدے کی بنیاد بھگوت گیتا اور اپنشد ہے۔ "جیسے ایک شخص بوسیدہ کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے اسی طرح روح بھی پرانے اور بیکار مادی اجسام کو چھوڑ کر نئے جسموں میں آجاتی ہے۔"[19] "(جیو) جیسے کام کرتا ہے یا جیسے چال چلن والا ہوتا ہے، ویسا ہی اس کا وہ روپ ہوتا ہے۔ نیک کام کرنے والا اچھا اور بد اعمالیاں کرنے والا بُرا۔ ثواب کے کاموں سے ثواب یافتہ روح ہوتی ہے۔ گناہوں سے گناہگار۔ جیسی مرادیں کرتا ہے ویسا ہی اس کا عقیدہ ہوتا ہے۔ جیسا عقیدہ ہوتا ہے ویسے ہی کام کرتا ہے۔ جیسے کام کرتا ہے ویسے ہی ان کے پھل پاتا ہے۔'

کرم، آواگون اور سمسار در حقیقت عقیدہ تناسخ کی مختلف کڑیاں ہیں جسے ڈاکٹر صاحب نے ہندو فلسفے کی بنیاد قرار دیا ہے۔ تاہم تقابل ادیان کی ایک محققہ ڈاکٹر آسیہ رشید اس سے مختلف بات بیان کرتی ہیں۔ وہ کرم کا عقیدہ تو اس میں شامل کرتی ہیں مگر انسانی شخصیت کی تعمیر کے حوالے سے جو فلسفہ وہ بیان کرتی ہیں اس کے مطابق راگ و دویش اور سمکارہ اہم عقیدہ ہے۔ وہ ہندو فلسفہ اخلاق کے باب میں کہتی ہیں:

"انسانی شخصیت کے بارے میں ہندومت ایک مکمل نظامِ فکر اور فلسفہ فراہم کرتی ہے۔ کرم، راگ دویش اور سمسکارہ کا تصور اس نظامِ فکر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے جس پر پوری انسانی شخصیت کی تعمیر اور تخریب ہوتی ہے۔ کرم ہندو فلسفے میں یہ لفظ کثیر المعنی ہے اور مختلف پس منظر میں جدا جدا معنی دیتا ہے۔ تاہم ہمارے موضوع بحث کے دائرے میں کرم سے مراد "اعمال" ہیں۔ ہندی فلسفے کی رو سے کرم سے مراد صرف موجودہ زندگی نہیں بلکہ گزشتہ زندگی یا جنم کے اعمال بھی ہیں۔ راگ دیوش کے معنی پسند و ناپسند ہے۔ وسیع معنوں میں اس سے مراد دراصل کسی بھی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی رائے رکھنا ہے۔ انسان کے تمام اعمال اسی راگ دویش کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کوئی تھپڑ مارتا ہے تو اب یہ ہماری پسند اور ناپسند ہے ہم رد عمل میں تھپڑ ماریں یا نہیں۔ اسی طرح وقت ضایع کرنا یا اسے قیمتی بنانا، کسی کی خدمت کرنا یا قتل کرنا، سچ بولنا یا جھوٹ بولنا، یہ سب انسان کی پسند اور ناپسند ہی ہوتی ہے۔ ہندی فلسفے کی رُو سے انسان جو کچھ کرم یعنی عمل اس جنم میں یا گزشتہ جنم میں کر چکا ہوتا ہے اس کے کچھ اثرات ہوتے ہیں جو اس کے لاشعور پر پڑتے ہیں۔ ان اثرات کو مجموعی اعتبار سے "سمسکارہ" کہا جاتا ہے اور یہی سمکارہ ہیں جو ہماری شخصیت اور فطرت تشکیل دیتی ہے۔ یہ ایک مکمل سائیکل ہوتا ہے جس سے اعمال اور رجحانات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔"[20]

تاہم ڈاکٹر مہر عبدالحق کے نزدیک ہندو فلسفہ اخلاقیات کا سب سے اہم ماخذ بھگوت گیتا ہے۔ حافظ محمد شارق کی کتاب تفہیم مذاہب میں ڈاکٹر آسیہ رشید بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ ڈاکٹر مہر اس بارے میں لکھتے ہیں: "اس پس منظر کو سامنے رکھ کر بھگوت گیتا کا مطالعہ کیا جائے تو قدیم ہندومت کے اخلاقیات کا جائزہ اور بھی بہتر طریقے سے لیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بھگوت گیتا میں مذہبی باتیں بھی بہت سی ہیں لیکن اس کتاب کا مغز اخلاقی ہے۔ اس کی تعلیمات کو بھی اخلاقی مسائل کے حل کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔"[21]

ہندوصنمیات میں ڈاکٹر مہر عبدالحق سومرہ کے تحقیقی مآخذ

کتاب ہذا میں ڈاکٹر صاحب نے درج ذیل تحقیقی مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔

لسانیات

سوائے چند ایک مصنفین کے، ہندومت پر لکھنے والے اکثر اُردو دان محققین نے بالعموم لسانیات کو ہندومت کی تفہیم میں قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ جبکہ مغرب میں اس شعبے میں تفہیم کی بنیاد ہی لسانی اصولوں پر ہوئی ہے۔ چنانچہ میکس مولر اور علم الہند کے دیگر ماہرین نے ہندومت کی تاریخ و تفہیم پر جو کتب لکھی ہیں، ان میں لسانیات کے شعبے سے ہند آریائی زبانوں میں مماثلت کو بہت اہمیت دی ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بھی ہندومت کی بہتر تفہیم کے لیے لسانیات کے ماہرین کی رائے سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ آریائی قوم کے بارے میں بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں: "بحیرہ اسود کے نواح سے جو لوگ جنوب کی طرف مصر اور بابل وغیرہ کے ملحقہ علاقوں میں پہنچے انہیں غیر سامی النسل قرار دے کر سُمیرئین کا لقب دیا گیا۔ انگریزی زبان میں اس لفظ کے معنی غیر سامی النسل لوگ ہیں۔ یہ لوگ بحیرہ اسود کے علاقہ سائیتھیا سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں سائتھین بھی کہا گیا ہے۔ سائیتھ کا لفظ عرب زبان میں نط اور سندھی اور سرائیکی میں جَت اور جٹ ہو گیا۔ ساکیہ بھی یہی لوگ ہیں اور جرمنی کا لفظ جیتی یا گیٹی بھی اسی قوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"[22]

مغربی محققین کی تحقیقات سے استفادہ

البیرونی کے بعد علم الہند میں ہم جن ماہرین کے ممنونِ کرم ہیں، وہ بلاشبہ جرمن، فرانس اور برطانوی مستشرقین ہیں۔ انیسویں صدی کے آغاز سے ہی استشراق کی علمی تحریک نے زور پکڑا اور اس کے زیر اثر جہاں دیگر مذاہب پر تحقیقی کام کیا گیا، وہیں ہندومت پر بھی بے شمار قیمتی لٹریچر سامنے آیا۔ یہ مستشرقین کی محنتوں کو ثمر ہے کہ ہندوؤں کی مقدس کتب جو غیر مذاہب کی دسترس سے ہمیشہ پرے رہتی تھی، انگریزی ترجمہ کے بعد ہر ایک کے لیے اس کی تفہیم کے دروازے کھل گئے۔ڈاکٹر مہر عبد الحق نے بھی مغربی محققین کی تحقیقاتِ سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر وہ فرانسیسی محقق کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”روس کے ایک ماہرِ ارضیات و آثار جی ایم ونگارڈیلون نے تلک کے مذکررہ نظریئے کا سائنسی اور لسانی پہلو سے بھرپور جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ویدوں کی مذہبی، دیومالائی اور نیم جغرافیائی باتیں، ویدوں کی تصنیف سے بہت پہلے، دوسری اقوام میں بھی مشہور تھیں۔ خاص طور پر اُن لوگوں میں تو عام تھیں جو آریاؤں کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ علاقے سائیتھیا میں رہتے تھے۔“[23]

ہندو متون مقدسہ سے استفادہ

ڈاکٹر مہر عبد الحق نے اپنی تحقیق کے لیے ہندوؤں کی بہت سی مقدس کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ان میں وید، رزمیہ ادب اور پران خاص طور پر شامل ہے۔ یہ استفادہ انھوں نے ہندو تہذیب کی تاریخ، دیومالائی داستانوں کے بیان اور ہندو نظریات کی تصدیق کے لیے عمومی طور پر کیا ہے۔ عقیدہ تناسخ کا ارتقا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”براہد آرن یکا اپنشد میں۔ تناسخِ اَرواح کی پہلی صورت دی گئی ہے یعنی جن لوگوں نے اس دنیا کی زندگی قربانی، سخاوت اور سادگی کے اصولوں کی پیروی میں گزاری ہے ان کی روحیں بعض غیر واضح سفری مراحل طے کرنے کے بعد اپنے آباؤاجداد کی دنیا یعنی یَم کی بہشت میں چلی جائے گی۔ یہاں عیش و مسرت کا کچھ عرصہ گزار کر پھر یہ چاند کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔ پھر کچھ مدت بعد چاند سے نکال کر انہیں خلاؤں میں بھیج دیا جائے گا۔ پھر خلاؤں سے بارش کی شکل اختیار کر کے یہ زمین پر واپس آجائیں اور اشیائے خوراک میں داخل ہو جائیں گی، پھر خوراک کے ذریعہ ”مردوں کی آتشین قُربان گاہ میں داخل ہو کر عورت کی آتشین قُربان گاہ میں جنم لیں گی“۔ لیکن گناہ گاروں کی رُوحیں کیڑے مکوڑوں اور پرندوں وغیرہ کی صورت میں دوبارہ پیدا ہوں گی۔“[24] اسی طرح مصنف نے جو ہندو دیولامائی کہانیاں بیان کی ہیں، ان کا ماخذ پران ہی ہے۔

تفہیم ہندومت سے متعلق ”ہندو صنمیات“ میں عبد الحق مہر کا منہج، خصوصیات اور تجزیہ

منہج و خصوصیات

ڈاکٹر مہر عبد الحق کی کتاب ہندو صنمیات تفہیم ہندو کے علمی مکتب فکر میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ ان کی تحقیق کئی تحقیقی کمالات کی حامل ہیں جن میں ان کی غیر جانبداری، مستند ماخذ اور علوم جدیدہ سے استفادہ اور تقابل خاص طور پر شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کا بیشتر حصہ اسطوریات پر مبنی ہے جس کا اہم ماخذ وید، برہمنا ادب اور پران ہے۔ موصوف نے مختلف دیوتاؤں سے متعلق داستانیں نہ صرف تفصیل کے ساتھ نقل کی ہیں، بلکہ دیگر متون اور صحائف سے ان کا تقابل بھی کیا ہے۔ ایک ایک دیوتا کے واقعات انھوں نے کسی ایک ماخذ کے بجائے تمام صحائف کی چھان بین کر کے بیان کیے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ہمیں کام دیوتا کے بارے میں ان کے مضمون میں ملتے ہیں جہاں وہ کام دیوتا کے بارے میں مختلف صحائف کا حوالے نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”رگ وید میں کام کو اس اوّلین حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے جو ”واحد“ کے اندر اس وقت پیدا ہوئی جب وہ جوشِ نمو یا تجرید کی قوت کے ذریعے ”زندگی“ میں داخل ہوا۔ اتھر وید میں کامَ یا

آرزو کی، جو جنسی مسرتوں کی آرزو نہیں۔ بلکہ عمومی نیکی کی آرزو ہے، ایک عظیم قوت ہونے کے اعتبار سے تکریم کی گئی ہے اور اسے تمام دیوتاؤں سے افضل سمجھا گیا ہے اسے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بھی پکارا گیا ہے۔ رگ وید کے ایک بھجن میں اس کی پوجا کی گئی ہے اور اسے دیوتاؤں سے بالاتر کہا گیا ہے۔ ایک دوسرے بھجن اسے جنسی محبت کا دیوتا بھی کہا گیا ہے۔"[25] کام دیوتا کے حالات بیان کرتے ہوئے موصوف صرف اس ایک ہی مضمون میں دو ویدوں کے علاوہ ومنا پران، بھاگوت پران اور وشنو پران سے بھی حوالے نقل کیے ہیں۔[26] اسی طرح بعض جگہوں پر ایک ہی کتاب میں موجود دو مختلف متون کو بھی نقل کرتے ہیں۔ مثلاً برہما کے ذریعے تخلیق کائنات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ "اسی پران میں ایک اور مقام پر یہ حکایت مختلف انداز سے بیان ہوئی ہے۔"[27] اس کے بعد وہ مذکورہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔

متون میں تقابل کے علاوہ فاضل محقق نے مختلف دیوتاؤں کے شخصی ارتقا کے بارے میں بھی بڑی عمدگی کے ساتھ وضاحت کی ہے اور اس کے لیے مختلف ہم صفات دیوتاؤں کا تقابل بھی کیا ہے۔ وہ مختلف شواہد سے یہ بتاتے ہیں قدیم زمانے میں عہد بہ عہد کس طرح ایک دیوتا سے متعلق رجحان دوسرے دیوتاؤں میں منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ سرسوتی اور گنگا کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس اعتبار سے قدیم ہندوؤں کے نزدیک سرسوتی کو وہی مقام حاصل تھا جو بعد میں ان کے جانشینوں نے گنگا کو دیا۔ گنگا کا نام ویدوں میں صرف دو مقامات پر آیا ہے۔ جب دریا کو الوہیاتی مقام حاصل ہو گیا تو پھر ظاہر ہے اسے اُن قربانیوں کا بھی سرپرست سمجھا جانے لگا جو اس کے کنارے پر ادا کی جاتی تھیں۔ لہٰذا کچھ عرصے کے بعد اسے بھی بھجنوں میں شامل کر کے بحیثیت دیوی پکارا جانے لگا کہ جن مقاصد کے لئے وہ قربانیوں کی رسمیں ادا کر رہے ہیں وہ پورے ہوں اور سراسوتی ان قربانیوں کو قبول کرلے۔ اس طرح مذہبی رسوم کا ایک حصّہ بنتی بنتی سرسوتی ندی دیوی بن گئی اور اس کی الگ سے پوجا ہونے لگی۔ اسے "وچ" یعنی گفتار کی دیوی قرار دیا گیا۔"[28]

تجزیہ

ڈاکٹر مہر عبد الحق اسطوریات کے ماہر تھے اور ان کی گہری نگاہ بیک وقت دنیا کے تمام بڑے مذاہب پر تھی۔ ہندو اسطوریات لکھتے ہوئے وہ دیگر ہندی مذاہب کو زیر نظر رکھتے ہیں واقعاتی اور تاریخی شواہد کی روشنی میں وہ اپنا تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ نہ صرف ان کے بہترین استدلال کی صلاحیت کی غمازی کرتا ہے بلکہ محققین کے لیے فکر کے کئی زاویے بھی کھولتا ہے۔ مختلف مقامات پر عمومی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے وہ واقعات و شواہد کو یوں پیش کرتے ہیں کہ پوری حقیقت ایک مربوط انداز میں ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ جگن ناتھ وری میں ہونے والی مذہبی رسوم کی ہیت پر غور و فکر کرتے ہوئے وہ یہ منفرد رائے پیش کرتے ہیں کہ یہ مندر ہندوؤں کے بجائے بدھ مت کے پیروکاروں کا ہے مگر بعد میں عوامی فریب کے لیے اسے ہندوؤں کا مندر بنا دیا گیا۔ اپنی رائے کا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں: "جگن ناتھ پوری میں مذکورہ تین تہواروں پر یا عام پرستش کے دوران بہت سی ایسی رسمیں ادا کی جاتی ہیں جن سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ مندر اگرچہ ہندوؤں کا بیان کیا جاتا ہے لیکن دراصل یہ بدھ مت کے پیروکاروں کا مندر رہے۔ اوپر کرشن کی ہڈیوں کا ایک صندوق میں رکھے جانے کا جو قصّہ بیان ہوا ہے اس کے بارے میں بھی زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ ہڈیاں کرشن کی نہیں بُدھ کی ہوں گی۔ ہڈیاں نہیں تو کچھ بدھا کی یادگار اثری چیزیں ضرور ہوں گی۔ جو بت کے اندر محفوظ کی گئی ہیں۔ جن دنوں بدھ کا نام لینا، اس کی پرستش کرنا یا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق ظاہر کرنا تک خطرناک تھا یہ مشہور کر دیا ہوگا کہ یہ یادگار کہ نشانیاں کرشنَ کی ہیں تاکہ ہندو لوگ احتراماً خاموش رہیں۔ کرشن کی ہڈیوں کا امکان اس لئے بھی نہیں ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کسی مردہ جسم کا چھو جانا بھی ناپاک کر دیتا ہے چہ

جائے کہ کوئی ہڈیوں کو اکٹھا کرے اور اسے صندوق میں اور بعد میں بت کے اندر رکھ دے۔بُدھ کی یادگار نشانیوں کو محفوظ رکھنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ ایک افسانہ گھڑ لیا جائے اور اسے تقدس کے غلاف میں لپیٹ کر مخالفین کی دستبرد سے بچا لیا جائے۔"[29]

تاریخی شواہد کی روشنی میں تفہیم و استدلال کی عمدہ مثال ہمارے سامنے اسر کی تشریح ہے۔ لفظ اسور ہندو صحائف میں منفی کردار لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب تاریخی معلومات کے تناظر میں لکھتے ہیں:"یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق اور شام (اسیریا) میں اَسُر کا لفظ برتر و بالا وجود کے لئے بولا جاتا ہے۔یہ آسیر میں (عراق و شام کے لوگ) ایران پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔لہذا قدرتی طور پر یہ لفظ بھی ایران میں حکمرانوں کے توسط سے داخل ہو گیا۔البتہ تبدیلی صرف اتنی آئی کہ ایرانیوں نے اس کے ساتھ مزدا کا لفظ بڑھا دیا جس کے معنی دانا اور حکیم کے ہیں۔اس طرح یہ لفظ اَسوُّر مزدا ہو گیا اور ایران میں مقیم سمرئین نے،جو آگے چل کر آریہ کہلائے اسے قبول کر لیا۔یہ ہے اَسورہ کے اچھے معنوں میں استعمال کا پہلو۔اس کے دوسرے (بُرے معنوں والے) پہلو کو سمجھنے کے لئے ہمیں پھر تاریخ کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔اَسور کا لفظ صرف بالا و برتر ہستی کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری اسیر میں (شام اور عراق کی) قوم کے لئے بولا جاتا تھا۔نیز اس بالا و برتر ہستی کے پجاری بھی اسور کہلاتے تھے۔باہر سے آنے والے فاتحین کے خلاف مفتوحہ لوگوں کے دلوں میں نفرت اور غصّہ تو ہوتا ہی ہے تاریخوں میں لکھا ہے کہ شامی اور عراقی اپنے دشمنوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔جس طرح بعد میں ایرانیوں اور ہند آریائی لوگوں میں مخالفتیں شروع ہو گئیں۔ان نفرتوں کے درمیان جب آریاؤں کو ایران سے نکال کر ہندو پاک کی سرحدوں کی طرف دھکیل دیا گیا تو اسُورہ (عراق۔شامی) اور آہورُہ،مزدا کے ماننے والے ایرانی دونوں قابل نفرت اور عداوت کی علامت بن گیا۔۔" [30]

خلاصہ کلام

ڈاکٹر مہر عبدالحق سومرہ کی تصنیف "ہندو صنمیات" کا غیر جانبدارانہ علمی اسلوب محققین کے لیے یقیناً قابل تقلید ہے۔ہندو دیومالائیت ہندوؤں کے عقائد اور تہذیب پر مشتمل ہے اگرچہ اس اسلام کے روسے یہ عقائد درست نہیں لیکن اس میں پیچیدگیاں اس مذہب کی صحیح تفہیم میں بہت بڑی دشواری پیدا کرتی ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کام محققین کے لیے کافی معاون ومددگار ہے۔اپنی اس تصنیف میں ڈاکٹر مہر نے ہندو دیومالائیت کا تقابلی مطالعہ وسعت کے ساتھ پیش کیا ہے۔انھوں نے مذہبی داستانوں کے مختلف Versions کا باہم تقابل بھی کیا ہے اور مختلف دیوتاؤں کی اصل کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ دیوتا ہندو دیومالائیت میں کہاں سے وارد ہوئے اور کس قدر اہمیت کے حامل ہیں۔آپ ہندو مذہب کی تشکیل میں تاریخی عوامل کو بھی زیر بحث لاتے جس سے مختلف عقائد و نظریات اور رسوم ورواج کے سماجی ونفسیاتی محرکات بھی بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں۔

حوالہ جات(References)

[1] http://www.bio-bibliography.com/authors/view/5617 (29,7,2018)

[2] جواد، یاسر، عالمی انسائیکلوپیڈیا،(لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،غزنی سٹریٹ اردو بازار،اگست ۲۰۰۹ء)،ج۲،ص ۱۳۷۰۔

Jawwād,Yāsir, Aālmī Encyclopedia, (Lahore: Al-Faisal Publishers and Traders Books, Ghazni Street Urdu Bazār, August 2009,V:2,P:1370

[3] کلثوم،ام،ڈاکٹر مہر عبد الحق۔ شخصیت اور فن، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔اے،(ملتان: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی،۱۹۸۸ء)، ص۲۱۔

Kulsūm ,Umme, Dr.Meher Abdul Haq. Sakhsiyyat or Fan, Tehqiqi Maqāla baraie M.A, Multan Bahauddin University, 1988,P:21

[4] سومرہ،ڈاکٹر،مہر عبد الحق،ہندو صنمیات،(ملتان: بیکن بکس، گلگشت ملتان سلامت اقبال پرنٹنگ ہاؤس،۱۵ اکتوبر ۱۹۸۸ء)، ص۳۶،۳۳۔

Sūmrah, Meher Abdulhaq Dr, Hindū sanamiyyāt, Beacon Books, Gulgasht Muultan Salamat Iqbal Printing House, Multan, 1988.,P:33, 36

[5] A.Jones and D.Ryan, Encyclopedia of Hinduism, (printed in the United States of America,1961),91.

[6] ہندو صنمیات، ص۱۲۱

Hindū sanamiyyāt, P:121

[7] ایضاص ۱۲۰۔

Ibidi, P:120

[8] ایضا، ص۵۳۷،۵۳۶۔

Ibidi,P:536, 537

[9] عبید اللہ، محمد (سابق اننت رام، مولانا)، تحفۃ الہند،(لاہور: مکی دارالکتب، غزنی سٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار، ستمبر 1997)، ص۱۱۴، / شارق، حافظ، محمد، ہندومت کا تفصیلی مطالعہ، (کراچی: ادارہ تحقیقات مذاہب،۲۰۱۸ء)، ص۱۷۸۔

Obaidullah, Muhammad (Sabiq Anant Ram, Maulanā), Tuhfa-tul-Hind, Mickey Dar Al-Kitab, Ghazni Street Yusuf Market Urdu Bazaar, Lahore,1997,P:114
Muhammad Shāriq, Hafiz, Hindmat ka Tafsīlī Mutalia,Idara Tehqīqat-e-Mazāhib,Karachi,2018,P:178

[10] سومرہ،ڈاکٹر،مہر عبد الحق،ہندو صنمیات، ص۱۲۳۔

Hindū sanamiyyāt,P:123

[11] ایضا، ص۳۹،۳۸۔

Ibidi, P:138,39

[12] ایضا، ص۵۶۴۔

Ibidi P:465

[13] ایضا، ص۵۶۶،۵۶۵۔

Ibidi، P:565, 566

[14] ہندومت کا تفصیلی مطالعہ, ص۸۹۔

Hindmat ka Tafseeli Mutalia, P:89

[15] سومرہ،ڈاکٹر،مہر عبد الحق،ہندو صنمیات، ص۳۵۳۔

Hindū sanamiyyāt, P:353

[16] ایضا، ص۵۴۸،۵۴۷۔

Ibidi, P:547, 548

[17] ایضا، ص۵۴۸۔

Ibidi, 548

[18] ایضا، ص۵۴۹،۵۴۸۔

Ibidi, P:134

[19] بھگوت گیتا۔ باب ۲۔ منتر ۲۲۔

Swami Prabhupada, Srimad Bhagavat Gita, Bhaktivedanta Book Trust,1972, Chapter:2, Mantar:22

[20] محمد شارق، ہندومت کا تفصیلی مطالعہ، ص۲۴۴۔

Hindmat ka Tafseeli Mutalia, P:244

[21] سومرہ، ڈاکٹر، مہر عبدالحق، ہندو صنمیات، ص ۲۷۵۔

Hindū sanamiyyāt, P:275

[22] ایضا، ص ۴۔

Ibidi, P:4

[23] ایضا، ص ۲

Ibidi, P:2

[24] ایضا، ص ۱۹۔

Ibidi, P:19

[25] ایضا، ص ۲۶۹۔

Ibidi,, P:269

[26] ایضا، ص ۲۷۱، ۲۷۰۔

Ibidi, P:279, 271

[27] ایضا، ص ۱۲۷۔

Ibidi, P:127

[28] ایضا، ص ۱۳۴۔

Ibidi, P:134

[29] ایضا، ص ۲۶۷، ۲۶۶۔

Ibidi, P:266, 267

[30] ایضا، ص ۴۱۳، ۴۱۲۔

Ibidi, P:412, 413